حروفِ مقطّعات

جناب میر ولایت علی صاحب حیدر آباد دکن سے لکھتے ہیں:

قرآن صاف و شستہ عربی زبان میں ہونے کا مدعی ہے مگر اس میں حروف مقطعات کی موجودگی جن کے معنی متعین نہیں ہیں دعویٰ کی دلیل کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے نزولِ قرآن سے قبل ادبیاتِ عرب میں اس کا رواج رہا ہو تو اس کی واضح مثالیں بحوالہ سند قلمبند ہونی چاہئیں۔ تاکہ قرآن کا نزول اپنے زمانے کے فصیح و بلیغ طریقۂ ادب کے مطابق ہونا تسلیم ہو سکے۔ اور عام انسانوں کے لیے ناقابلِ فہم ہونے کا اعتراض رفع کیا جائے۔ یہ کام جناب شاہ صاحب کے علاوہ دوسرا شخص شاید اطمینان بخش نہ کر سکے اس لیے شاہ صاحب سے گزارش ہے کہ اپنی پہلی فرصت میں اس جانب توجہ فرمائیں۔"

ثقافت یہ کھٹک صدیوں سے تقریباً ہر قرآن خواں کے دل میں پیدا ہوتی رہی ہے اور ابتدائے اسلام ہی سے بے شمار اہلِ تفسیر کچھ نہ کچھ اس بارے میں خیال آرائی کرتے رہے ہیں۔ مثلاً الف لام میم کے متعلق اس طرح کے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں:

۱۔ الف سے مراد اللہ ہے، لام سے جبریل اور میم سے محمدؐ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جبریل کی معرفت محمدؐ پر قرآن اتارا۔

۲۔ الف لام مل کر آل ہوا اور میم سے محمدؐ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے پہلے آلِ محمدؐ کو مانو۔

۳۔ یہ TUNING ہے جس سے قرآن کے مخصوص موسیقیانہ انداز کا آغاز ہوتا ہے۔

۴۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ان حروف کے اعداد کے مطابق اس سورہ کی آیتوں کی تعداد ہے۔

۵۔ سے میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست۔ یعنی یہ CODE WORDS ہیں جس کا علم خدا اور رسول کے درمیان راز ہے۔

۶۔ اللہ اعلم بمرادہ یعنی اس کا مطلب خدا ہی کو معلوم ہے۔

آپ نے غور فرمایا؟ شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا۔ لطف یہ ہے کہ یہ ساری تعبیرات ایک جگہ کچھ لگتی ہوئی نظر بھی آئیں تو دوسری جگہ فٹ نہیں آتیں۔ اور انہیں فٹ کرنے کے لیے سو تاویلیں کرنی پڑتی ہیں۔

اسی لیے ان تفسیروں سے میری کوئی تسلی نہیں ہو سکی۔

کسی قدر لگتی ہوئی بات خواجہ احمد دین صاحب امرتسری نے اپنی تفسیر "بیان للناس" میں لکھی ہے جس کا ایک نکتہ یہ ہے کہ: خدا یہ اعجاز قرآنی دکھانا چاہتا ہے کہ دیکھو یہی حروف ہیں جن کے مجموعے سے انسانی کلام تیار ہوتا ہے اور انہیں حروف سے کلام وحی بھی بنا ہے لیکن دونوں کا فرق دیکھ لو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر آپ کسی مقطعات والی سورت کو لے لیں تو اس سورت میں وہ حروف مقطعات بہ نسبت دوسری سورتوں کے زیادہ کثرت سے ملیں گے۔ مثلاً آپ سورۂ قاف کو لیں اور اس کے ایک صفحے میں جتنے قاف آئے ہیں ان کو شمار کر جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ کسی دوسری سورت کے کسی صفحے کی بہ نسبت اس (سورۂ قاف) میں حرف ق کی تکرار زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال یہ ساری تفسیریں اسے سمجھنے کی طرف مختلف قدم ہیں اور آخری تفسیر اگرچہ سب سے اگلا قدم نظر آتا ہے لیکن یقینی طور پر دو اور دو چار کی طرح اس کی صحت کا فیصلہ دینا بھی مشکل ہے۔ سچ پوچھئے تو قرآن کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جو ہنوز تشریح طلب ہیں اور جس قدر علمی و ذہنی اور تجربی لحاظ سے دنیا ارتقاء کی طرف بڑھتی جائے گی اسی قدر قرآنی حقائق آپ سے آپ کھلتے چلے جائیں گے۔ جو حقائق اب تک سمجھے جا چکے ہیں ان میں بھی نئی تعبیرات، نئے لباس میں جلوہ گر ہوتی جائیں گی اور جو معارف ابھی دھندلے ہیں وہ بھی صاف ہوتے جائیں گے اور جو کچھ اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے وہ بھی اجاگر ہو جائے گا۔ یہ خیال کرنا درست نہیں کہ جو کچھ اگلے سمجھ چکے اس سے آگے کچھ نہیں سمجھا جا سکتا۔

میں نے بذاتِ خود جو کچھ سمجھا ہے وہ ایک دوسرا زاویۂ نظر رکھتا ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے قرآن میں دو تین جگہ کے سوا جہاں جہاں بھی حروف مقطعات آئے ہیں وہاں اس کے بعد ہی کتاب، قرآن، تنزیل یا وحی الٰہی کا ذکر ضرور ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) الم ذلک الکتاب لاریب فیہ (۲) یٰس والقرآن الحکیم (۳) طٰہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقٰی (۴) حم والکتاب المبین (۵) ق والقرآن المجید (۶) الرٰ تلک آیات الکتاب المبین۔

اس میں اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف مقطعات بھی اسی طرح آیات وحی ہیں جس طرح پورا قرآن ہے۔ اور پہلے ان کو ایمان بالغیب کے طور پر وحی الٰہی مان لینا چاہیئے خواہ سردست ہماری سمجھ میں نہ آ سکتے ہوں۔ اگر ہم قرآنی حقائق پر غور کریں تو اس کے مضامین تین طرح کے نظر آئیں گے۔ ایک وہ جو جلد بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتے ہیں۔ دوسرے وہ حقائق ہیں جو طویل غور و خوض چاہتے ہیں اور تیسرے وہ اسرار ہیں جو نسلیں ختم ہونے کے بعد واضح ہوں گے۔ حروف مقطعات کو انہی میں شمار کرنا چاہیئے۔

ایک نکتہ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض حقائق ایسے بھی ہیں جو پوری طرح ہمارے ادراک کی گرفت میں نہیں آسکتے بلکہ جس قدر ہم ان پر غور کرکے آگے سے آگے بڑھتے جائیں گے اور جس قدر زیادہ سے زیادہ سمجھتے جائیں گے اسی قدر یہ احساس بھی شدت اختیار کرتا جائے گا کہ ابھی ہم کچھ نہیں سمجھے ہیں۔ ذات باری کی حقیقت کا یہی حال ہے کہ محمدؐ جیسا عارف بھی آخر کار یہ کہہ اٹھتا ہے کہ ما عرفناک حق معرفتک پس اُس کے کلام کا بھی ایک حصہ ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ اس پر جتنا زیادہ غور کیا جائے اسی قدر اپنی لاعلمی کا احساس بڑھتا جائے۔ ایمان بالغیب کا یہی تقاضا ہے کہ بعض ان حقائق کو بھی مان لے بلکہ سب سے پہلے مان لے جو اپنے ادراک کی گرفت میں نہ آسکے ہوں۔ علم و فن میں آپ کو بے شمار مقامات ایسے ملیں گے جن کو بطور اصول موضوعہ (HYPOTHESIS) کے مان لیا جاتا ہے۔ جب تک ان کو بے دلیل نہ مان لیا جائے آگے اس علم و فن کی گاڑی نہیں چلتی۔ اسی طرح کتاب اللہ کھولتے ہی جب الم دکھائی دیتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا تو ایمان بالغیب، قوت یقین، وجدان اور تسلیم و رضا کا پہلا امتحان شروع ہوجاتا ہے۔ اگر یہیں شک یا تذبذب ہوا تو آگے گاڑی اٹک گئی اور اس کے برحق ہونے پر بے چون و چرا ایمان لے آئے اور لاریب فیہ کی منزل طے کرلی تو پھر آگے ھدیً للمتقین کا مژدہ استقبال کے لیے آگے بڑھے گا۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن کے فصیح و بلیغ طریقۂ ادب کے مطابق ثابت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ادبیات عرب سے اس کی سند لائی جائے تاکہ اس کے ناقابل فہم ہونے کا اعتراض نہ ہو ...... تو عرض یہ ہے کہ اہل تفسیر نے اس کی مثالیں پیش کی ہیں لیکن مجھے ان کی صحت میں شک ہے۔ ایسی مثالیں اکثر بنالی جایا کرتی ہیں۔ تاہم اگر صحیح سند سے کوئی مثال مل بھی جائے تو ہم اسے قرآن کی صحت کی دلیل بنانا کوئی معقول بات نہیں تصور کرتے۔ ہمارا انداز فکر یہ ہے کہ کلام جاہلیت کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔ قرآن کو کلام جاہلیت سے جانچنا کیا معنی؟

یہاں ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ بات یا لفظ بھی ایسا نہیں جو اہل کفر کو کھٹکی ہو اور انہوں نے اسے طشت از بام نہ کیا ہو اور اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔ حتیٰ کہ لفظ رحمٰن پر بھی انہوں نے اعتراض کر ہی دیا۔ اور بعض روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے الفاظ ھزؤ، کبار، اور عجاب پر بھی اعتراض کیا تھا (واللہ اعلم) غرض تعلیمات کے علاوہ قرآن کی زبان پر معترض ہونے سے باز نہ آئے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حروف مقطعات پر ان کا کوئی اعتراض (جو صحیح سند سے ہو) نظروں سے نہیں گزرا۔ کیا فقط یہی بات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ وہ اسے ادبیات عرب کے خلاف نہیں سمجھتے تھے؟ اور ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر کلام عرب میں یہ رائج نہیں تھا اور اس کے بعد بھی رائج نہیں رہا تو قرآن کے من جانب اللہ ہونے کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو کسی جگہ بھی حروف مقطعات سے آغاز نہ ہوتا۔ گویا بات یوں ہوئی کہ اگر عربوں نے اس کے غیر فصیح ہونے پر اعتراض نہیں کیا تو یہ ثابت ہوا کہ وہ اسے ادبیات عرب کے خلاف نہیں بلکہ ادبیات عرب میں نیا اور اچھوتا اضافہ سمجھتے

تھے۔ اور اگر اس کی کوئی مثال کلام عرب میں نہیں ملتی تو یہ دلیل ہے اس کے من جانب اللہ ہونے کی۔ کیونکہ انسانی کلام اس طرح شروع نہیں ہوتا۔

ذرا سوچئے کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شروع سے آخر تک ایک کتاب فصاحت و بلاغت کا ایسا مرقع ہو کہ ہر مدعی فصاحت و بلاغت اس کے آگے سپر ڈال دے مگر اس میں بار بار مختلف ٹکڑے INTENTIONALLY ایسے لائے جائیں جو فصاحت سے گرے ہوئے اور قابل اعتراض ہوں اور فصحا پھر بھی اس پر معترض نہ ہو سکیں؟ پس اگر حروف مقطعات یا قرآن کی کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی یا فصاحت کے مطابق نظر نہیں آتی تو یہ اپنے فہم اور اپنے دعوائے فصاحت کا قصور ہے نہ کہ قرآن کا۔ جو قرآنی حقائق آج یا آج تک نہیں سمجھے جا سکے ہوں وہ کل سمجھ میں آجائیں گے۔ سارے حقائق قرآنی پر عبور حاصل کرنے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ قرآن کا فہم کسی دور کی چار دیواری میں بند نہیں اور وہ کوئی ایسی جامد تعلیم بھی نہیں دیتا جس کی ایک دور کی تعبیرات ختم ہو جائیں اور دوسرے دور کے لیے تعبیرات کے دروازے بند ہوں بلکہ ؎

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
یک جہانش عصرِ حاضر را بس است — گیر اگر در سینہ دلِ معنی رس است
بندۂ مومن ز آیاتِ خدا است — ہر جہاں اندر برِ او چوں قبا است
چوں کہن گردد جہاں در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثل حق پنہاں و ہم پیدا است او — زندہ و پایندہ و گویا است او

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کے شاہکار "احیاء العلوم" کی تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ۔ غزالی کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور